

خالد کو تنبیہ کرنے کے بجائے پروردگار سے فریاد کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اب انسان قابل اصلاح نہیں رہ گیا ہے اور اس کے دل میں وہ روح ایمان نہیں ہے جو مومن کے جان و مال کے احترام پر آمادہ کرتی ہے اور جس کے بعد انسان اس طرح کے اقدامات نہیں کرتا ہے جیسا اقدام خالد نے کیا ہے۔

۴۱۔ سورہ مبارکہ بقرہ آیت ۲۶۶ میں ارشاد ہوتا ہے:

"اس موقع کو یاد کرو جب پیر اپنے مریدوں سے تبرّا کریں گے، عذاب نگاہوں کے سامنے ہوگا اور تمام وسائل نجات منقطع ہو چکے ہوں گے۔ اس وقت مرید کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں واپس کر دیا جاتا تو ہم ان سے اسی طرح تبرّا کرتے جس طرح انھوں نے ہم سے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔ پروردگار اس طرح ان کے اعمال کو حسرت ناک بنا کر پیش کرتا ہے اور اب یہ سب جہنم سے نکلنے والے نہیں ہیں۔"

آیات مبارکہ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ تبرّا ایک شریف ترین عمل ہے جس سے کنارہ کشی کرنے والوں کو روز قیامت حسرت و الم کا سامنا کرنا پڑے گا۔
تبرّانہ کرنے والوں کے لئے کوئی دسلہ نجات نہ ہوگا اور ان کے سارے وسائل منقطع ہو چکے ہوں گے۔

تبرّانہ کرنے والوں کا انجام جہنم ہے اور انھیں جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ پروردگار جملہ صاحبان ایمان کو دشمنانِ خدا سے تبرّا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور روز قیامت کی حسرت سے محفوظ رکھے۔!

معاملات

اصول و فروع کے ذیل میں عام طور سے اسلام کے پانچ مخصوص عقائد اور دس مخصوص عبادات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے کل عقائد پانچ اصول میں اور کل فروع دس عبادات میں منحصر ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اسلام کے عقائد میں یہ پانچ امور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں لیکن عقائد کی دنیا اس سے کہیں زیادہ وسیع تر ہے اور اس میں بہت سے دیگر امور بھی شامل ہیں۔ مذکورہ بالا تصویق ہی سے یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ اچھے خاصے صاحبان ایمان کے سامنے بھی جب بدایا رجعت کا ذکر آتا ہے تو وہ حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ ان عقائد کا کوئی ذکر اصول دین میں نہیں آیا ہے۔ حالانکہ ہر صاحب نظر جانتا ہے کہ عقیدہ کا اصول دین میں داخل ہونا اور ہے اور عقیدہ کا عقیدہ ہونا اور ہے۔ بہت سے امور ایسے ہیں جنہیں اصول دین کی حیثیت حاصل نہیں ہے لیکن ان کا عقیدہ رکھنا بہر حال ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسان صاحب ایمان نہیں ہو سکتا ہے۔

یہی حال فروع دین کا بھی ہے کہ فروع دین درحقیقت اسلام کے تمام عملی احکام کا نام ہے۔ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا نہ ہو۔ لیکن ہمارے یہاں فروع دین میں صرف عبادات کو شمار کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دس امور کو یاد کرنے کے بعد اپنے کو فروع دین کے مسئلہ میں مکمل عارف شریعت تصور کر لیتا ہے۔ جب کہ اسلام ایک ایسا جامع مذہب ہے جس میں کسی شعبہ زندگی کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے اور ہر شعبہ زندگی کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ اسلامی قانون میں اگر قعر دریا میں رہنے والی مچھلی کا حکم موجود ہے تو آسمان پر

چمکنے والے چاند اور سورج کا قانون بھی موجود ہے۔ اس کے دامن میں اگر ذرہ خاک کی جگہ ہے تو بلندی کوہ کی بھی جگہ ہے۔

وہ حقوق العباد سے بھی بحث کرتا ہے اور حقوق اللہ کی عظمت کا بھی اعلان کرتا ہے۔ اُس کی جامعیت کو دنیا کا کوئی قانون نہیں پاسکتا ہے اور نہ کوئی قانون ساز ادارہ اس کی وسعت و ہمہ گیری کا تصور کر سکتا ہے۔

اسلام کی جامعیت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: احوال۔ اموال۔ اعمال۔ احوال کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ انسان کے حالات خود اپنی ذات کے ساتھ۔ اس باب میں تمام ذاتی اخلاقیات صداقت، امانت، شجاعت، عدالت وغیرہ کے ساتھ اقرار کا شعبہ بھی شامل ہو جاتا ہے جہاں انسان اپنے اوپر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے اور وہ حق اقرار کی بنیاد پر اس پر ثابت ہو جاتا ہے۔

۲۔ انسان کے حالات پروردگار کے ساتھ۔ اس قسم میں طہارت، نماز، روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ خمس۔ جہاد۔ نذر۔ عہد۔ قسم وغیرہ سب شامل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ انسان کے حالات بندوں کے ساتھ۔ اس قسم میں امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ نکاح۔ طلاق۔ حدود۔ دیات، قصاص۔ تولا۔ تبر اور وکالت وغیرہ جیسے امور شامل ہو جاتے ہیں۔

۴۔ انسان کے حالات حیوانات کے ساتھ۔ اس قسم میں شرکار۔ ذبیحہ۔ مسابقہ۔ تیر اندازی وغیرہ کے شعبے شامل ہیں۔

۵۔ انسان کے حالات دیگر مخلوقات کے ساتھ۔ اس قسم میں کھانے، پینے کے احکام شامل ہیں۔

نوٹ: ان تمام مسائل کو دوسرے اعتبارات سے بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے اور شاید وہ تقسیم اس سے زیادہ دقیق تر ہو کہ اس مقام پر بہت سے مالیات بھی احوال

کے شعبے میں داخل ہو گئے ہیں۔ لیکن سر دست اس تقسیم میں صرف انسانی حالات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
اموال:

اس شعبہ حیات میں بھی پانچ طرح کے مسائل پائے جاتے ہیں:

- ۱۔ ملکیت کے اقسام: انفرادی ملکیت۔ مشترک ملکیت۔ عوامی ملکیت۔ عمومی ملکیت۔ سرکاری ملکیت وغیرہ۔
- ۲۔ ملکیت کے اسباب: وراثت۔ تجارت۔ ہبہ۔ ہدیہ۔ قرض۔ لفظہ وغیرہ۔
- ۳۔ ملکیت کا انتقال: تجارت۔ صلح۔ وقف۔ وصیت۔ وراثت وغیرہ۔
- ۴۔ ملکیت کی حفاظت: رہن۔ حوالہ۔ ضمانت۔ کفالت۔ امانت۔ عاریت۔ غصب۔
- ۵۔ خاتمہ ملکیت: عتق (آزادی غلام)۔ تدبیر۔ مکاتبہ۔

اعمال:

اعمال کے ذیل میں بہت سے مالیاتی امور بھی آجاتے ہیں لیکن اس وقت صرف ان امور کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جہاں انسان کو صرف عمل انجام دینا ہوتا ہے جیسے اجارہ (مزدوری) کہ یہاں اجیر صرف عمل کرتا ہے۔ مالیات کا سلسلہ اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔
 جُعَالہ۔ جہاں بلا تخصیص فرد یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جو شخص بھی فلاں عمل انجام دیدیگا اسے اس قدر اجرت دے دی جائے گی۔

مضاربہ۔ جہاں ایک شخص دوسرے شخص کے مال سے کاروبار کرتا ہے اور نفع میں دونوں افراد حسب حصہ شریک ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مقام پر ایک فریق کی طرف سے عمل کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اسی عمل نے اسے مضاربہ کا شریک بنا دیا ہے۔
 مساقاة۔ جہاں ایک انسان دوسرے کے کھیت کی سینیچائی کا کام انجام دیتا ہے۔
 مزارعہ۔ جہاں ایک انسان دوسرے کے کھیت میں کاشت کرتا ہے اور بعد میں حسب قرار داد اسے اس عمل کی اجرت مل جاتی ہے۔

امتیازات و خصوصیات

اسلامی تعلیمات میں جس طرح نظام عبادات بشمار خصوصیات و امتیازات کا حامل ہے۔ اسی طرح نظام معاملات میں بھی بشمار خصوصیات و امتیازات پائے جاتے ہیں جن میں سے صرف بعض کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

واضح رہے کہ عبادات اور معاملات کا بنیادی فرق یہ ہے کہ عبادات میں قربۃ الی اللہ کی نیت ضروری ہے لیکن معاملات دنیا خد سے غافل ہو کر اور دنیا داری کی بنیاد پر بھی انجام دے جاسکتے ہیں۔ عبادات کی نیت میں ذرا ملاوٹ یا ریاکاری پیدا ہو جائے تو عمل باطل ہو جاتا ہے لیکن معاملات میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا ہے۔ وہ صرف دنیا کو دکھانے کے لئے بھی انجام پاسکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود معاملات کی دنیا داری بھی قوانین سے مکسر آزاد نہیں ہے بلکہ اس میں بھی بشمار پابندیاں پائی جاتی ہیں کہ جن کے بغیر معاملہ کی صحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اسلامی فقہاء نے علمی اعتبار سے معاملات کو بھی دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ بعض معاملات ردِ طرزہ ہوتے ہیں کہ ایک فریق ایجاب کرنے والا ہوتا ہے اور دوسرا معاملہ کو قبول کرتا ہے جیسے تجارت اور نکاح وغیرہ۔

اور دوسرے بعض معاملات بالکل یک طرفہ ہوتے ہیں اور وہاں کسی قبول کر نیوالے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جیسے طلاق یا وقف وغیرہ کہ یہ امور ایک طرف سے انجام پاتے ہیں اور ان میں کسی کے قبول کرنے کی شرط نہیں ہوتی ہے۔

پہلی قسم کو عقود کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ایقاعات۔ لیکن اجمالی طور پر دونوں کو معاملات میں شامل کیا جاتا ہے اور معاملات کا دائرہ اسی طرح وسیع ہو جاتا ہے جس طرح عقائد میں وہ عقائد بھی شامل تھے جن پر اسلام کا دار و مدار تھا اور وہ عقائد بھی شامل تھے جن کے بغیر انسان اعراب کی طرح مسلمان تو کہا جاسکتا تھا۔ لیکن صاحبِ ایمان نہیں

کہا جاسکتا تھا۔

۱۔ تفرقہ حلال و حرام

دنیا کے نظاموں میں عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کاروبار کی دنیا حلال و حرام سے بالاتر ہے۔

تجارت پیسہ کمانے کا ایک ذریعہ ہے چاہے جس چیز کی تجارت کی جائے صرف دوسرے افراد کے حق میں ظلم نہ ہونے پائے۔

لیکن اسلام کا قانون ایسا نہیں ہے وہ پیسہ سے زیادہ دوسری جہات کو اہمیت دیتا ہے اور اس کی نظر میں کوئی ایسا معاملہ جائز نہیں ہے جس میں ذاتی طور پر کوئی عیب پایا جاتا ہو یا اس سے سماج کے فاسد ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔

مثال کے طور پر قحبہ خانہ کو دنیا کے نظام جائز قرار دے سکتے ہیں لیکن اسلام جائز نہیں کر سکتا ہے کہ اس سے انسانی شرافت و عفت کے تباہ و برباد ہو جانے کا شدید ترین خطرہ ہے چنانچہ اسلام نے تجارت کی دنیا میں بھی حسب ذیل معاملات کو حرام قرار دے دیا ہے۔

۱۔ ذاتی طور پر نجس قرار پا جانے والی اشیاء کی تجارت، جیسے شراب، غیر شرکاری گتّا، سور اور مردار کی تجارت۔

ب۔ غصبی مال کی تجارت کہ یہ دوسروں کو نقصان پہونچانے کے مرادف ہے۔

ج۔ جس مال کی سماج میں کوئی قیمت نہ ہو اس کی تجارت۔ کہ یہ کھلم کھلا حرام خوری ہے۔

د۔ جس مال کا کوئی فائدہ سوائے حرام کے نہ ہو جیسے آلات لہو و لعب و قمار بازی۔

ه۔ سودی معاملات کہ سود خود بھی مفت خوری اور حرام خوری کی ایک واضح قسم ہے۔

۲۔ اخلاقیات

تجارت کی دنیا مالیات کی دنیا ہے لیکن اسلام نے اسے بھی اخلاقیات کے دائرہ میں محدود کر دیا ہے اور اس کی نظر میں مالیات سے زیادہ اہمیت اخلاقیات کی ہے۔ مال انسانی

شرافت کی پہچان نہیں ہے لیکن اخلاق انسانی عظمت کی نشانی یقیناً ہے۔

اخلاقیات کے تحفظ کے ذیل میں اسلام نے حسب ذیل انداز کی تجارت کو مکروہ قرار دیا ہے:

۱۔ بیچنے والے کا اپنے مال کی تعریف کرنا اور خریدار کا برائی کرنا کہ پہلی قسم میں دھوکہ کا خطرہ ہے اور دوسری قسم میں رنجش اور دل آزاری کا اندیشہ ہے۔

ب۔ مسلمان بھائی کے معاملہ میں دخل دینا اور دام بڑھا کر جنس پر قبضہ کر لینا کہ اس طرح مالیات کے فائدہ کے ساتھ اسلامیات کا نقصان ہے۔

ج۔ طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان تجارت کرنا کہ یہ وقت عبادت الہی اور دعا کا ہے اور اس میں بندہ کا رخ خدا کی طرف ہونا چاہیے نہ کہ کاروبار کی طرف۔

د۔ معاملات میں قسم کھانا کہ ذات پروردگار اس بات سے بلند تر ہے کہ اسے پیسہ کمانے کا ذریعہ قرار دیا جائے۔

۴۔ ایسے مقام پر سودا کرنا جہاں عیب معلوم نہ ہو سکے کہ اس طرح فریب کاری کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔

۳۔ طرفین کے شرائط

اسلام اس بات سے ہرگز راضی نہیں ہے کہ معاملات کو دنیاوی معاملہ قرار دے کر جس طرح چلے اجناس کا تبادلہ کر لیا جائے۔ وہ احتیاطی تدابیر کے طور پر طرفین میں ایسے شرائط کو دیکھنا چاہتا ہے جن کے بعد کسی طرح کا فساد نہ پیدا ہونے پائے۔ مثال کے طور پر:

الف۔ طرفین کو بالغ ہونا چاہیے۔ نابالغ بچہ کے معاملہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے جب تک کہ اس کی حیثیت ایک وسیلہ اور ذریعہ کی نہ ہو جائے۔ نابالغ مستقل طور پر معاملہ کرنے کے قابل نہیں ہے اور نہ اسے احکام کا موضوع بنایا گیا ہے۔

ب۔ طرفین کو عاقل ہونا چاہیے۔ دیوانوں کے معاملات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اگرچہ مغربی معاشروں میں بندروں اور کتوں کو بھی تاجر یا خریدار بنا دیا جاتا ہے۔

ج۔ طرفین کو ہوشمند ہونا چاہیے۔ اگر معاملہ کرنے والے دونوں اطراف عاقل ہیں۔

دیولنے نہیں ہیں لیکن مالیات کا شعور نہیں رکھتے ہیں تو اسلام انہیں معاملہ کرنے کا حق نہیں دیتا ہے کہ اس طرح یا دونوں کا مال ضائع ہو جائے گا یا ایک فریق دوسرے کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سارا مال لوٹ لے گا۔

د۔ قصد و ارادہ۔ معاملات کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ انجام پانا چاہیے۔ ہنسی مذاق کا معاملہ تجارت کے بجائے مستقبل میں منافرت کا ذریعہ بن سکتا ہے لہذا طرفین کو ہوش و حواس اور قصد و ارادہ کے ساتھ سودا کرنا چاہیے۔

لا۔ اختیار۔ مجبوری کی حالت میں معاملہ صحیح نہیں ہوتا ہے۔ معاملہ کے لئے اختیار اور آزادی کا ہونا ضروری ہے تاکہ اپنے اختیار سے مال دے اور اپنے اختیار سے قیمت کا تعین کرے۔

۳۔ اموال کے شرائط

اسلام نے طرفین معاملہ کی طرح خود اموال میں بھی چند شرائط کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ کہ ان کے بغیر مال قابل تجارت نہیں ہے۔

ا۔ مال کی مقدار معلوم ہو اور قیمت بھی معلوم اور معین ہو۔

ب۔ نیچنے والا قبضہ دینے کی طاقت رکھتا ہو تاکہ مفت خوری نہ ہونے پائے۔

ج۔ وہ جملہ خصوصیات واضح ہوں جن کی وجہ سے قیمت میں فرق ہو سکتا ہے۔

د۔ مال پر دوسرے کا حق نہ ہو کہ اس طرح اس کی حق تلفی ہو جائے گی۔

لا۔ جس شے کو فروخت کر رہا ہے وہ کوئی واقعی شے ہو ورنہ صرف منافع اور استفادہ کی تجارت نہیں ہو سکتی ہے۔

۵۔ اختیار فسخ

اسلام نے معاملات کو پاکیزہ بنانے کے لئے یہ انتظام بھی کیا ہے کہ جہاں کسی طرح کے فساد کا اندیشہ تھا وہاں معاملہ کو فسخ کرنے کا اختیار بھی دے دیا ہے تاکہ معاملہ

مکمل آزادی۔ رضامندی اور دیانتداری کے ساتھ انجام پائے اور کسی طرح کا نقص یا عیب نہ پیدا ہونے پائے۔

اسلامی فقہ میں حسب ذیل قسم کے اختیارات پائے جاتے ہیں :

۱۔ اختیار مجلس۔ انسان نے جس مقام پر سودا کیا ہے اگر اسی وقت اسی مقام پر معاملہ کو ختم کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے۔ اسلام میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے۔

۲۔ اختیار خسارہ۔ اگر انسان یہ تصور کرتا ہے کہ عام معاملات کے اعتبار سے اس معاملہ میں کوئی خاص نقصان ہو رہا ہے تو اسلام نے اسے حق دیا ہے کہ معاملہ کو ختم کر دے چاہے اس وقت کوئی شرط نہ کی ہو بشرطیکہ عام طور سے لوگ اس شرط کو ضروری سمجھتے ہوں۔

۳۔ اختیار شرط۔ اگر معاملہ میں پہلے ہی سے طے کر لیا گیا ہے کہ طرفین یا کسی ایک فریق کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا تو اس شرط پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

۴۔ اختیار فریب کاری۔ اگر کسی فریق نے ملاوٹ یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے فریق کو دھوکہ دیا ہے تو اسلام اُسے معاملہ کو فسخ کر دینے کا اختیار بھی دیتا ہے۔

۵۔ اختیار عیب۔ اگر معاملہ کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ جنس میں عیب پایا جاتا ہے تو خریدار کو معاملہ کو فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔

۶۔ اختیار غضبیت۔ اگر معاملہ کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ سارا مال مالک کا نہیں ہے اور کچھ حصہ غصبی ہے تو خریدار اس معاملہ کو فسخ کر سکتا ہے۔ سارا مال غصبی ہو تو معاملہ پہلے ہی سے باطل ہے۔ فسخ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۷۔ اختیار ردیت۔ اگر خریدار نے مال کو دیکھنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ اس میں مطلوبہ صفات نہیں پائے جاتے ہیں تو اسے معاملہ کو فسخ کر دینے کا اختیار ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے موارد ہیں جہاں اسلام نے معاملہ کو فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کسی طرح کی فریب کاری یا بددیانتی نہیں چاہتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ معاملات کی دنیا میں بھی انسان انسان رہے اور مسلمان ہے تو مسلمان رہے۔ ایسا نہ ہو کہ دولت کا منہ دیکھ کر انسان انسانیت یا شرافت کو

سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس طرح مال کا فائدہ مال کی بربادی بن جائے۔

۶۔ لحاظ مستقبل

اسلام صرف یہ نہیں چاہتا ہے کہ معام تمام ہو گیا تو بات تمام ہو گئی اور اب انسان کو جس طرح بھی ہو اس معاملہ کو برداشت کرنا پڑے گا بلکہ اس نے اگر ایک طرف اختیار کی فہرست بنادی ہے تو دوسری طرف اقالہ کا قانون بھی بنادیا ہے کہ بیچنے والا یا خریدنے والا اگر اپنے معاملہ سے پشیمان ہو جائے تو اسے یہ اختیار رہے کہ معاملہ کو ختم کر سکے اور دوسرے فریق کو چاہیے کہ اس کے اس مطالبہ کو قبول کر لے جس طرح کہ پروردگار بندہ کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ ورنہ اگر انسان اس ضد پر قائم رہ جائے کہ اب کوئی بات قبول نہ کرے گا تو اسے روز قیامت کے بارے میں بھی یہی سوچنا چاہیے کہ اگر پروردگار نے بھی یہی فیصلہ کر دیا کہ اب غلطی ہو چکی ہے اور جہنم لازم ہو چکا ہے لہذا اب کوئی بات سنی نہیں جاسکتی ہے تو انسان کا انجام کیا ہوگا۔ وہ اگر پروردگار سے ایسے برتاؤ کی توقع رکھتا ہے تو اسے بھی بندگان پروردگار کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔

۷۔ حق شفعہ

اسلام نے اپنے معاملات میں اس قدر اخلاقیات کو شامل کیا ہے کہ اگر ایک مال میں مختلف افراد شریک ہیں اور ایک شریک اپنے حصہ کو بیچنا چاہتا ہے تو اسے یہ آزادی نہیں ہے کہ جس طرح چاہے فروخت کر دے اور نیا خریدار پرانے شریک کا شریک بن کر اسے اذیت پہنچائے۔ بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ اگر پرانا شریک مال کو اسی قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہے جس قیمت پر دوسرا شخص خرید رہا ہے تو اس کا حق مقدم ہے۔ اس لئے کہ اسے نئے خریدار کو برداشت کرنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے لئے قابل برداشت نہ ہو۔ لہذا اسلام نے ایک طرف یہ چاہا کہ مالک کا مال ضائع نہ ہو اور اسے پوری قیمت مل جائے اور دوسری طرف یہ چاہا کہ پرانا شریک کسی نئی مصیبت میں مبتلا

نہ ہو لہذا اسے یہ اختیار رہے کہ وہ قیمت ادا کر کے اپنے کو نئی مصیبت سے بچالے۔

۸۔ حرمت اکل مال بالباطل

اسلامی معاملات کا ایک اختیار یہ بھی ہے کہ اسلام نے ناجائز طریقہ پر مال کے استعمال کو حرام قرار دے دیا ہے اور اس کا نظریہ یہ ہے کہ مال ملکیت میں داخل ہو تو صحیح راستوں سے داخل ہو اور ملکیت سے خارج ہو تو صحیح اصول کے ذریعہ خارج ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے لاکھوں روپیہ کے ہبہ اور ہدیہ کو جائز قرار دیا ہے لیکن سود کے ایک پیسہ کو بھی حرام کر دیا ہے۔

اس کی نگاہ میں سود کی بھی دو قسمیں ہیں :

- ۱۔ تجارتی سود۔ جہاں کسی مال کو اسی مال کے عوض اضافہ کے ساتھ فروخت کیا جاتا ہے۔
- ۲۔ قرضی سود۔ جہاں ایک مقدار میں مال دے کر اس سے زیادہ مقدار میں واپسی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

اسلام کا فلسفہ یہ ہے کہ جب معاوضہ میں برابر کا مال واپس لے لیا گیا ہے یا قرض میں پوری رقم واپس لے لی گئی ہے تو اب اضافہ کے مطالبہ کا کیا جواز ہے اور اس اضافہ کے مقابلہ میں صاحب مال نے کیا دیا ہے جس کے عوض میں اضافہ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

اگر اس نے کم سے کم اس خطرہ ہی میں حصہ لیا ہوتا کہ اگر مال ضائع ہو گیا یا تجارت میں نقصان ہو گیا تو صاحب مال اس کا ذمہ دار ہو گا تو اسے اس خطرہ کا معاوضہ دے دیا جاسکتا تھا جیسا کہ مضاربہ میں ہوتا ہے جہاں ایک شخص کا مال ہوتا ہے اور ایک شخص کی محنت اور فائدہ میں دونوں حصہ دار ہوتے ہیں لیکن نقصان کو صاحب مال برداشت کرتا ہے، ایسی صورت میں اگر مالک کا دوبار کرنے والے کے فائدہ میں شریک ہوتا ہے تو یہ شرکت اس خطرہ کا نتیجہ ہے جو اس نے خسارہ کی صورت میں مول لیا ہے۔ ورنہ مکمل مال واپس لینے کے بعد اضافہ کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے جب کہ اضافہ دوسرے کی محنت سے ہوا ہے اور مال محفوظ رہنے کی صورت میں اضافہ نہیں پیدا ہو سکتا ہے۔

۹۔ ایجاب و قبول

اسلام کا بنیادی قانون یہ ہے کہ معاملات کو ایجاب و قبول کے ذریعہ انجام پانا چاہیے۔ اس نے تجارت وغیرہ جیسے مالی مسائل میں ایجاب و قبول کی لفظی شرط کو ہٹا لیا ہے اور دنیا کے مالی معاملات کو مستبر قرار دے دیلے۔ تو جہاں زندگی اور نسلوں کا مسئلہ ہے وہاں اس سہولت کی اجازت نہیں دی ہے اور یہ شرط کر دی ہے کہ نکاح و طلاق جیسے مسائل کو ایجاب و قبول ہی کے ذریعہ انجام پانا چاہیے۔ اگرچہ ان کا تعلق بھی معاملات ہی سے ہے لیکن یہ معاملات وہ نہیں ہیں جہاں اختلاف اور فساد کا تعلق صرف مال دنیا سے ہو۔ یہاں فساد کا تعلق انسان کی عزت و آبرو اور نسلوں کی تباہی اور بربادی سے ہے لہذا اسلام نے یہ ضروری سمجھا کہ الفاظ کو درمیان میں لایا جائے اور الفاظ بھی اشارہ کنایہ والے نہ ہوں تاکہ بات کو پوری صراحت اور پورے یقین کے ساتھ کہا جائے اور کسی طرح کا شک و شبہ نہ پیدا ہونے پائے کہ شک یا اختلاف زندگیوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

یہ تصور قطعاً غلط ہے کہ میاں بیوی راضی ہوں تو قاضی کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ اس لئے کہ یہ بات وہاں صحیح ہوتی ہے جہاں مقصد خواہشات کی تسکین و تکمیل ہوتا ہے لیکن جہاں نسلوں کی بقا کا مسئلہ ہو اور پوری زندگی کو ایک رشتہ میں مقید کیا گیا ہو وہاں ایسے الفاظ بہر حال ضروری ہیں جو رشتہ کو طرفین پر واضح کر دیں اور دونوں کو ان کی ذمہ داری سے باخبر کر دیں۔

ایسا نہ ہو کہ کام نکل جانے کے بعد مرد یہ کہے کہ میرے ذہن میں کسی نفقہ یا مہر یا دوسری ذمہ داریوں کا تصور بھی نہیں تھا اور عورت یہ کہے کہ میں نے اپنا سارا وجود اس لئے آپ کے حوالے کر دیا تھا کہ میرا خیال تھا کہ آپ اپنی کل کائنات میرے حوالے کر دیں گے۔ اسلام نے چاہا کہ الفاظ کے ذریعہ بات بالکل واضح ہو جائے تاکہ کسی طرح کے اختلاف یا عیاری و مکاری کو فروغ نہ حاصل ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ الفاظ میں بھی اسلام نے اضافی کلمات استعمال کیے۔

بات کے متیقن کا اظہار ہوتا ہے اور کسی طرح کا دوسرا احتمال نہیں رہ جاتا ہے اور پھر ماضی کے الفاظ کو حال میں استعمال کرنے کے لئے قصد انشاء کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ عقد ایک قصہ دیرینہ نہ بن جائے بلکہ وقتِ حاضر میں ایک رشتہ قرار پائے اور اس کے تمام ارکان صد فیصد واضح ہوں اور کسی طرح کے اشتباہ کا امکان نہ ہو۔

اس مقام پر اسلام نے ایک اور احتیاط برتی ہے کہ اگر عقد کرنے والے زندگی کے تجربات سے نا آشنا ہیں تو انھیں تجربہ کار افراد کا سہارا دے دیا جائے تاکہ وہ کسی طرح کا دھوکہ نہ کھانے پائیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ عقد کے موقع پر طرفین کے پاس جذبات زیادہ ہوتے ہیں اور تجربات کم۔ اور بزرگانِ خاندان کے پاس تجربات زیادہ ہوتے ہیں اور جذبات کم۔ لہذا اسلام نے چاہا کہ نہ صاحب معاملہ کے جذبات پامال ہونے پائیں اور نہ وہ بزرگوں کے تجربات سے محروم رہنے پائے۔

اب چونکہ عورت کے وجود میں جذبات زیادہ ہوتے ہیں اور ایجاب و اقدام کا کام اسے انجام دینا ہوتا ہے لہذا اسلام نے احتیاط کا راستہ یہ اختیار کیا کہ لڑکی کنواری ہے تو باپ یا دادا سے اجازت ضرور لے لے کہ ان کے پاس تجربات حیات بھی ہیں اور وہ جذباتی طور پر اپنی بچی کے لئے بہترین اور خوشگوار زندگی کے خواہشمند بھی ہیں اور اس طرح اس کی زندگی جذبات کے طوفان میں بہنے سے محفوظ ہو جائے گی۔ ورنہ اگر وہ ازدواجی زندگی کا تجربہ کر چکی ہے اور طلاق یا بیوگی کی منزل سے گزر چکی ہے تو اب اسے کسی کی راہنمائی کی ضرورت نہیں ہے اور وہ صرف اپنی پسند سے عقد کر سکتی ہے۔ اسلام کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے ذاتی تجربہ کو بزرگوں کے مشورہ کا قائم مقام بنا دیا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ تجربہ مشورہ سے زیادہ قیمتی ہوا کرتا ہے۔

۱۔ معتدل بنیادیں

اسلام نے اپنے تمام معاملات میں اس نکتہ کو بھی پیش نگاہ رکھا ہے کہ کوئی قانون

بے بنیاد نہ ہو اور جو بنیاد قرار دی جائے وہ معتدل اور متوازن ہو۔ چنانچہ اس طرح
نکاح کے واسطے بھی ایک معتدل بنیاد قرار دی ہے کہ کس قسم کی عورت سے نکاح ہو سکتا
ہے اور کس قسم کی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔ کب تک نکاح ہالہ و نکاح
اور کب اسے توڑا جاسکتا ہے۔ کون سے اسباب ہیں جن میں نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے اور
کون سے حالات ہیں جہاں عورت خود بخود حرام ہو جاتی ہے اور نکاح کو توڑ دیا جاتا ہے
نہیں پڑتی ہے۔

اور اسی طرح میراث میں بھی ترکہ کی ایک معتدل بنیاد قرار دی ہے کہ میراث
سے کون سے افراد وارث ہو سکتے ہیں اور کن افراد میں وراثت یا مالکیت کی علامت
نہیں پائی جاتی ہے اور اس کے بعد اصل میراث کے لئے بھی ایک اچھا ہی طریقہ بیان
قرار دی ہے جس کے ذریعہ انسان کے تمام رشتوں کا بالترتیب احاطہ کر لیا ہے۔
اسلام کی نگاہ میں میراث کی دو بنیادیں ہیں:

ایک وہ ذاتی قرار داد ہے جس میں طرفین ایک دوسرے سے زندگی بھر کا معاہدہ
کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وراثت کے حقدار ہو جاتے ہیں۔
اور ایک وہ فطری رشتہ ہے جسے پیدا کرنے والے نے قائم کر دیا ہے اور اس کے
تین درجات قرار دے دیے ہیں:

— پہلے درجہ میں وہ افراد ہیں جن کا رشتہ ولادت براہ راست ہے جیسے باپ کے
طبقہ میں ماں باپ اور نیچے کے طبقہ میں اولاد۔

— دوسرے درجہ میں وہ افراد ہیں جن کا رشتہ ماں باپ کے ذریعہ قائم ہوتا ہے۔
جس کے بالائی طبقہ میں ان کے ماں باپ ہیں اور نیچے طبقہ میں ان کی اولاد یعنی سرے والے
کے بھائی بہن۔

تیسرے درجہ میں وہ افراد ہیں جن کا رشتہ ماں باپ کے والدین کے ذریعہ قائم ہوتا
ہے جس میں ان کی دوسری اولاد شامل ہے جسے میت کا چچا یا ماموں کہا جاتا ہے۔
اس متوازن بنیاد کو قائم کرتے وقت پھر اسلام نے حالات یا احوالات کو بنیاد نہیں بنایا

کہ وراثت پانے والے غریب ہیں یا امیر۔ نیک کردار ہیں یا بد کردار کہ اس طرح میرا عالم میں منتشر ہو جائے گی اور کوئی شخص بھی وارث نہ ہو سکے گا۔ البتہ حالات اس حد تک بد نہ ہو جائیں کہ انسان مرنے والے کا قاتل بن جائے یا پیدا کرنے والے ہی کا منکر ہو جائے تو اسے میراث سے بہر حال محروم کر دیا جائے گا کہ پہلی صورت میں مورث کو مار کر وارث بننا چاہتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وراثت سے محروم کر دیا جائے اور دوسری صورت میں وہ اسی کے وجود کا قاتل نہیں ہے جس نے قانون وراثت کو بنایا ہے تو اس کے وارث ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ غرض کہ اسلام کے جملہ احکام، عبادات اور معاملات اس قدر دقیق مصالح کے حامل ہیں کہ ان کی مکمل شرح اور توضیح کے لئے کتابیں درکار ہیں۔

اس مقام پر صرف چند مصالح معاملات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ جس طرح اسلام کے عبادات کا کوئی جواب نہیں ہے اسی طرح اسلام کے معاملات کی بھی کوئی مثال اور نظیر نہیں ہے۔ رب کریم امت اسلامیہ کو توفیق دے کہ وہ اپنے دین و مذہب کی صحیح قدریں پہچانے اور عالم انسانیت کو بھی توفیق دے کہ ٹھوکیں کھانے کے بجائے اسلامی تعلیمات کے سایہ میں پناہ لے۔ خالق کائنات کا قانون مخلوقات کے افکار کی پیداوار سے بہر حال بہتر ہوتا ہے بشرطیکہ انسان میں اس امر کا شعور پیدا ہو جائے۔ !

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والسلام علی من اتبع الهدی۔